# ناول ''خدا کی بستی'' مثالیت پسند کرداروں کے تناظر میں

محمد رفیق

پی ایچ ڈی سکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

**Abstract**

The novel "Khuda ki Basti" by Shoukat Siddiqui is an importatnt representative novel of Urdu litirature and it is translated into twenty six languages of the world. Our National tv channel PTV prepared two Long breadon plays upon this novel and telecasted many times and these were appriciated by the people. The characters of this novel are matchless due to their idealistic behaviour. The theme of this novel is exploitation.

شوکت صدیقی اردو ناول کی روایت میں نمائندہ ترین حقیقت نگار ہیں اور اس تناظر میں ان کے ناول زیرِ بحث رہے ہیں۔شوکت صدیقی کا ناول ''خدا کی بستی'' زندہ کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔لیکن یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ ''خدا کی بستی'' جو سفاک ترین حقیقت نگاری کا مرقع ہے اس کے بعض کردار اور ناول کے حصے مثالیت پسندی کے مظہر بھی ہیں۔شاید یاس کی اتھاہ گہرائیوں میں دم توڑتی خدا کی بستی کو آکسیجن کے طور پر ہلکی سی رجائیت کی مسیحائی بھی درکار تھی۔

مثالیت پسندی کے ضمن میں ''فلک پیما یا سکائی لارک'' سے وابستہ کردار اہمیت کے حامل ہیں۔ناول ''خدا کی بستی'' کے یہ کردار اپنی مثال آپ ہیں۔شوکت صدیقی نے خدا کی بستی میں قیامِ پاکستان کے فوری بعد کے پاکستانی شہری معاشرے کو موضوع بنایا ہے۔ناول کا مرکزی نقطہ نئے ملک میں مذہبی، سیاسی اور سماجی اشرافیہ کی طرف سے کمزور طبقے کے استحصال کو پیش کرنا ہے۔خدا کی بستی ایک ایسے سماج کی علامت بن کر سامنے آئی ہے جس میں معاشرتی،تہذیبی اور اخلاقی اقدار اپنے تشکیلی دور سے گزر رہی ہیں۔

شوکت صدیقی کے اس ناول میں اسلوب اور واقعات کا بہاؤ بہت متاثر کن ہے۔انہوں نے اس ناول کو لکھنے کے لیے بہت زیادہ منصوبہ بندی نہیں کی اور نہ ہی دوسرے ناولوں کی طرح ''نوٹس'' یا ڈائریاں تیار کیں۔انہوں نے ایک طرح سے اس ناول کو قلم برداشتہ لکھا۔شوکت صدیقی ڈاکٹر طاہر مسعود کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے ''خدا کی بستی'' کو لکھنے کے حوالے سے بتاتے ہیں:

''ناول لکھنے کے لیے جو منصوبہ بندی عموماً کی جاتی ہے اور کرداروں کو کانٹ چھانٹ کر واقعات کی

ترتیب وتشکیل سے کہانی کو جس طرح اجاگر کیا جاتا ہے، میں نے یہ سارا اہتمام ''خدا کی بستی'' میں نہیں کیا۔ میں حافظ قرآن ہوں۔ میرا حافظہ بحمداللہ بہت اچھا ہے اور اس میں مجھے خاصی مدد ملتی ہے............ ذہن اتنا حاضر تھا کہ مجھے یاد رہتا تھا کہ میں کہاں تک لکھ چکا ہوں اور مجھے کہانی کو آگے کہاں تک لے جانا ہے۔ میرے اندر ایک لاوا تھا جو ابلنے کے لیے بے تاب و بے قرار تھا۔ مجھے لکھنے کے لیے اپنے اندر تحریک پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی، قلم اٹھایا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ وہ ۱۹۵۷ء کا زمانہ تھا۔ آج ۱۹۸۴ء ہے۔ ان دو زمانوں میں بڑا فرق ہے۔'' [۱]

''خدا کی بستی'' کا شمار بطور ایک ناول کے اردو زبان کے چند نمائندہ ناولوں میں ہوتا ہے۔ اس ناول کا دنیا بھر کی چھبیس بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس ناول پر پاکستان ٹیلی ویژن نے دو بار ڈرامے بنائے اور کئی بار نشر کیے گئے۔ یہی نہیں بلکہ اس ناول پر بننے والے ڈرامے پاکستان ٹیلی ویژن کی تاریخ میں سب سے زیادہ دیکھے جانے والے سیریل تھے۔ خدا کی بستی میں شوکت صدیقی نے پاکستانی سوسائٹی خصوصاً کراچی جیسے بڑے شہر میں جرم اور تشدد کو بیان کیا ہے۔ اس ناول میں بیان کیے گئے واقعات کسی نہ کسی نوع کے جرم پر مشتمل ہیں۔ ان جرائم میں چوری، چکاری، ڈاکہ، قتل، ذخیرہ اندوزی، ریپ، منشیات فروشی، ملک دشمنی کے علاوہ بہت سی دوسری برائیاں شامل ہیں۔

ناول کا آغاز نوعمر لڑکوں کے بیان سے ہوتا ہے۔ ان لڑکوں میں نوشا، راجہ اور شامی شامل ہیں۔ نوشا ایک غریب بیوہ ماں کا بیٹا ہے۔ اس کا ایک بھائی انو اور بہن سلطانہ ہے۔ شامی کے والدین حیات ہیں مگر وہ ایک معاشی طور پر تباہ حال گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ غربت نے اس کے والد کو چڑ چڑا اور بدزبان بنا دیا ہے۔ وہ آئے روز شامی پر تشدد کرتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ شامی زیادہ تر گھر سے باہر ہی وقت گزارتا ہے۔ ان تینوں میں راجہ ایک ایسا کردار ہے جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں وہ زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے ایک کوڑھ کے مرض میں مبتلا بھکاری کی ہاتھ ریڑھی کو سارا دن کھینچتا ہے جس کا معاوضہ اسے چند پیسوں کی شکل میں ملتا ہے۔ گھریلو حالات اور سماج کی دھتکار سے دلبرداشتہ ہو کر راجہ اور نوشا گھر سے فرار ہو کر کراچی آجاتے ہیں جہاں وہ مختلف جرائم پیشہ عناصر کے ہتھے چڑھ کر جیل پہنچ جاتے ہیں۔ جیل میں راجہ کو کوڑھ کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور اسے جیل سے ہسپتال منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ نوشا جیل سے رہا ہو کر پوکر نامی ساتھی قیدی کے ساتھ جیب تراشوں کے سرغنہ استاد پیڈ رو کے اڈے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے جیب تراشی کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ اتفاق سے ایک دن اس کی ملاقات راجہ سے ہو جاتی ہے جو اسٹیشن پر پڑا ہوا بھیک مانگ رہا ہوتا ہے۔ اس کا مرض شدت اختیار کر چکا ہے۔ نوشا اس کا علاج کروانے کے لئے جیب تراشی کرتا ہے مگر استاد پیڈ رو کو پتہ چل جاتا ہے کہ نوشا نے اس سے چھپا کر پیسے پس انداز کئے ہیں تو وہ اسے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنا کر اڈے سے نکال دیتا ہے۔ وہ ایک بزرگ پروفیسر کے گھر پناہ حاصل

کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور ایک ورکشاپ میں کام کرنے لگ جاتا ہے۔مگر کچھ ہی عرصے میں اسے پروفیسر کے گھر سے بھی بے دخل ہونا پڑتا ہے۔اس دوران اسے گھر کی یاد ستانے لگتی ہے اور وہ تین سال بعد جب گھر پہنچتا ہے تو وہاں سارا نقشہ ہی بدلا ہوا ہوتا ہے۔اپنے دوست شامی سے اسے گزشتہ برسوں کا احوال ملتا ہے اور وہ جوش میں آ کر اپنی ماں کے قاتل نیاز کباڑیے کو قتل کر دیتا ہے اور اسے عمر قید کی سزا مل جاتی ہے۔راجہ دیارِ غیر میں کوڑھ کے مرض میں سسک سسک کر موت کا انتظار کرتا ہے اور شامی سائیکل رکشا چلا چلا کر ٹی۔بی کا مریض بن کر موت کی وادی کی طرف محوِ سفر نظر آتا ہے۔

''خدا کی بستی'' کے مرکزی کرداروں نوشا اور اس کی ماں، بہن سلطانہ اور بھائی انّو شامل ہیں۔نوشا کے گھر سے فرار کے بعد ان کا دور کا رشتہ دار نیاز کباڑیہ ان کے گھر با قاعدگی سے آنا جانا شروع کر دیتا ہے۔نوشا کی ماں بھی اگر چہ جواں سال بیوہ ہے مگر نیاز کی نظر سلطانہ پر ہوتی ہے۔نیاز ایک کاروباری اور حد درجے کا لالچی انسان ہے وہ نوشا کے گھریلو افلاس اور خراب حالات سے فائدہ اٹھا کر نوشا کی ماں سے جنسی تعلقات قائم کر لیتا ہے اور پھر ایک منصوبہ بندی کے تحت اس سے شادی کر کے ایک بدنام زمانہ ڈاکٹر سے مل کر اسے زہریلے انجکشن لگوا لگوا کر مار ڈالتا ہے اور اس کی موت پر بیمے کی رقم وصول کر لیتا ہے۔ماں کے مرنے کے بعد سلطانہ اور نوعمر انو اس کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں وہ سلطانہ کو رکھیل بنا لیتا ہے اور انو کو گھر سے نکال دیتا ہے۔سلطانہ سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے۔انو گھر سے نکالے جانے کے بعد اوباشوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جو اسے ہیجڑا بنا دیتے ہیں۔

فلک پیما تنظیم سے وابستہ کردار مثالیت پسندی کے ضمن میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔اس تنظیم سے وابستہ کرداروں کو شوکت صدیقی نے سکائی لارک کا نام دیا ہے۔سکائی لارک جذبہ انسانی سے سرشار چند ایسے روشن دماغ لوگ ہیں جنہیں انسانیت کی معراج قرار دیا جا سکتا ہے۔ان کرداروں میں صفدر بشیر، پروفیسر احمد علی، ڈاکٹر زیدی اور سلمان شامل ہیں۔سکائی لارک غریب آبادیوں میں تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کرتے ہیں۔گھریلو دستکاری کا مرکز بناتے ہیں۔صحت و صفائی کے حوالے سے آگاہی مہم چلاتے ہیں مگر ان کا پالا نواب فرزند علی جیسے مکار سیاسی رہنما سے پڑتا ہے جو سکائی لارکوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے مگر جب وہ انہیں اپنے فائدہ کے لئے خریدنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو طرح طرح سے ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور کافی حد تک کامیاب رہتا ہے۔

خان بہادر فرزند علی کا کردار سماج میں پائے جانے والے ان افراد کا نمائندہ ہے جو اپنے جرائم کو چھپانے کے لئے مذہب اور سیاست کی آڑ لیتے ہیں۔ناول میں یہ کردار اس وقت سامنے آتا ہے جب سکائی لارک خدمت خلق کے مشن کا آغاز کرتے ہیں۔خان بہادر ایک دولت مند، فتنہ انگیز، خود غرض اور کینہ پرور کردار ہے۔وہ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کے لئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کرتا ہے۔ناول میں شوکت صدیقی نے اس کا تعارف کچھ یوں کروایا ہے۔

''اس کا نام خان بہادر فرزند علی تھا۔اس کے پاس ہزاروں ایکڑ زرعی اراضی اور جائیداد تھی۔ یہ متروکہ املاک تھی جو اس نے اپنے کلیم کی بنیاد پر الاٹ کرائی تھی۔زمین داری کے ساتھ ساتھ اس نے شہر میں کاروبار بھی شروع کر دیا۔اس کی مستقل رہائش بھی شہر ہی میں تھی۔وہ خاندانی رئیس تھا۔

اس کا باپ بھی خان بہادر تھا۔مگر تاج برطانیہ کی گراں قدر خدمات انجام دینے اور تمام تر وفاداری اور جاں نثاری کے باوجود سر کا خطاب حاصل کرنے کا ارمان دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔'' ۲

خان بہادر کے عزائم اس وقت سامنے آتے ہیں جب سکائی لارک کچی بستی میں تعلیم بالغاں کے کامیاب مراکز بنانے کے بعد اس علاقے میں غریبوں کے لئے مفت ہسپتال بنانا چاہتے ہیں۔خان بہادر سکائی لارکوں کی خدمات سے آگاہ تھا اور علاقے میں ان کی نیک نامی سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔وہ بظاہر تو چندہ دینے کے جذبے کے تحت سکائی لارکوں سے ملاقات کرتا ہے مگر در پردہ وہ یہ چاہتا ہے کہ سکائی لارک ہسپتال کی آڑ میں دوائیں امپورٹ کرنے کا لائسنس حاصل کریں۔اس لائسنس پر جو دوائیں امپورٹ کی جائیں ان میں سے آدھی بلیک مارکیٹ میں فروخت کر دی جائیں جس کے منافع میں سے آدھا حصہ ان کو ملتا رہے۔

''اس نے بلیک مارکیٹ میں دوائیں فروخت کرنے کی بات کہنے سے حتیٰ الوسع احتراز کیا۔صرف مسکرا کر اسکائی لارکوں کو دیکھا۔''امپورٹ لائسنس اور دواؤں کی فروخت کے بارے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔اس کا بندوبست میں کر دوں گا۔البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔وہ یہ کہ دواؤں کی فروخت سے جو منافع ہو گا اس میں ۵۰ فی صد اس پارٹی کو دینا پڑے گا جو آپ کے لیے امپورٹ لائسنس مہیا کرے گی اور دوائیں فروخت کرنے کی بھی ذمہ دار ہو گی۔اس لیے کہ یہ کام آپ لوگوں کے بس کا نہیں۔'' ۳

سکائی لارک، خان بہادر کی تجویز کو متفقہ طور پر رد کر دیتے ہیں اس کے بعد خان بہادر سکائی لارکوں کے خلاف نہ ختم ہونے والے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔اس مقصد کے لئے وہ انتظامی مشینری کو بھی استعمال کرتا ہے اور لوگوں کے مذہبی جذبات کو بھی کام میں لاتا ہے۔اس حوالے سے وہ پہلا کام تو یہ کرتا ہے کہ ہسپتال کے خالی پلاٹ پر راتوں رات مسجد کی عمارت کھڑی کروا دیتا ہے۔ضعیف العقیدہ اور سادہ لوح عوام کے جذبات کو بھڑکا کر وہ کافی حد تک عوامی رائے کو اپنے حق میں کر لیتا ہے۔وہ اصل میں سکائی لارکوں کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے اور انہیں دکھانا چاہ رہا ہوتا ہے کہ وہ کتنا اثر و رسوخ رکھنے والا شخص ہے۔مسجد کے معاملے پر جب سکائی لارک صفدر بشیر

فون پر بات کرتا ہے تو اس کے لہجے کی سفا کی کو بہت آسانی سے محسوس کیا جا سکتا ہے اقتباس ملاحظہ ہو:

''میرا کہا مانئے تو اب اس خیال کو ترک ہی کر دیجئے ۔اس لیے کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔شہر کے تین علمائے دین سے مسجد کی تعمیر کے شرعی ہونے کا فتویٰ لیا جا چکا ہے۔اس کے علاوہ میں ابھی وفد کے ہمراہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے مل کر آ رہا ہوں تا کہ کوئی گڑ بڑ پیدا نہ ہو۔میں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو خبر دار کر دیا کہ نقص امن کا خطرہ ہے۔لہٰذا اس نے پولیس کا پہرہ لگانے کا بھی وعدہ کر لیا ہے............خان بہادر برہم ہو کر بولا ۔''کیا کہا آپ نے ؟ یعنی میں اس مسئلے میں دلچسپی نہ لوں؟ بات ذرا سوچ سمجھ کر منہ سے نکالا کیجیے۔واہ صاحب واہ! آپ نے تو کمال ہی کر دیا ۔یہ بھی خوب کہی ۔اجی آپ سے تو صرف صاحب سلامت ہی ہے ۔اگر میرا حقیقی بھائی بھی مجھ سے یہ بات کہتا تو بخدا میں اس کا منہ نوچ لیتا۔ جناب یہ دینی معاملہ ہے۔میں تو اس کے لیے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔'' ۴

سکائی لارک مسجد کی تعمیر کے پیچھے چھپے ہوئے خان بہادر کے عزائم کو سمجھتے ہیں۔ان کا واضح مؤقف تھا کہ مذہب کی آڑ میں کسی کی نجی ملکیت پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔بعض سکائی لارک یہ خیال رکھتے ہیں کہ مسجد کو جیسے ایک رات میں تعمیر کر دیا گیا ہے ویسے ہی اسے ایک رات میں شہید کر دیا جائے۔مگر بعض سینئر سکائی لارک یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نقص امن کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔تاہم وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ سب مسجد کے سامنے بھوک ہڑتال کریں گے اور وفد کی شکل میں شہر کے اعلیٰ حکام سے ملاقات کر کے انہیں اصل حقائق سے آگاہ کریں گے۔اس سلسلے میں وہ علاقہ مجسٹریٹ سے ملتے ہیں۔مجسٹریٹ کا رویہ ان کے ساتھ جانبدارانہ ہوتا ہے اور وہ انہیں ڈرا دھمکا کر بھیج دیتا ہے۔مجسٹریٹ کے خیالات ملاحظہ ہوں:

''وہ بولا۔'' آپ مسئلے کو جس قدر معمولی سمجھ رہے ہیں،ایسا نہیں ہے۔مسئلہ بے حد نازک ہے۔آپ کو علم نہیں کہ لوگوں کے مذہبی جذبات کس قدر جلد مشتعل ہو جاتے ہیں ۔اگر ایسی کوئی خطرناک صورت پیدا ہو گئی تو آپ بھی الٹا حکام ہی کر مورد الزام ٹھہرائیں گے......بہر حال میں آج ہی اس معاملے کی تحقیقات کے لیے حکم جاری کر دوں گا ۔یوں میں نے نقص امن کے خطرے کے پیش نظر متاثرہ علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی ہے اور مسجد کے دروازے پر پولیس کا پہرہ لگوا دیا ہے۔ضرورت پڑی تو پولیس فورس میں اور اضافہ کر دیا جائے گا۔'' یہ سیدھے سادے الفاظ میں وفد کو تنبیہہ دی گئی تھی۔'' ۵

اعلیٰ سرکاری حکام کی سرد مہری کے باوجود سکائی لارک ہمت نہیں ہارتے اور کمیٹی کے مضافات میں سستی

زمین تلاش کر کے وہاں پر سکائی لارکوں کا ہیڈ کوارٹر قائم کر دیتے ہیں۔جس میں لائبریری اور ڈسپنسری کا قیام بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔

خان بہادر دولت ،شہرت اور اقتدار کا متمنی ہے۔وہ زندگی میں نہ تو اعلیٰ آدرش رکھتا ہے اور نہ ہی بلند نظریات کا حامل ہے۔مسجد والے تنازعہ کے بعد بھی وہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ سکائی لارکوں کے ہیڈ کوارٹر پہنچ جاتا ہے۔اگرچہ اس بار بھی وہ بات چیت کا آغاز سکائی لارکوں کو ۲۵۰۰۰ کا چندہ دینے کے حوالے سے کرتا ہے مگر اس کی اس سخاوت کے پیچھے اس بار بھی ذاتی غرض پوشیدہ ہے۔وہ چاہتا ہے کہ سکائی لارک میونسپل بورڈ کے انتخاب میں اسکی حمایت کریں۔خان بہادر اس حلقے سے الیکشن لڑنے کا خواہشمند ہے اور کچی آبادی میں سکائی لارکوں کی مقبولیت سے اچھی طرح آگاہ ہے:

> ''بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً تین ماہ بعد یعنی مئی میں میونسپل بورڈ کے انتخابات ہو رہے ہیں۔میں اس حلقے سے امیدوار ہوں ویسے میرا اپنا کوئی ایسا ارادہ نہ تھا۔آپ ہی جیسے بعض کرم فرماؤں کا اصرار ہے کہ میں انتخابات میں ضرور حصہ لوں۔مجبوراً مجھے آمادہ ہونا پڑا۔خان بہادر آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔''سارا پروگرام بن چکا ہے۔مگر آپ کے تعاون کے بغیر پروگرام ادھورا ہے۔''
>
> صفدر بشیر نے مسکرا کر کہا۔''ہمارے تعاون کے بغیر آپ الیکشن لڑ سکتے ہیں.....علی احمد نے کہا۔''دیکھئے خان بہادر صاحب فلک پیما کا فی الحال کوئی سیاسی پروگرام نہیں ہے۔اس لیے اگر آپ ہم کو ان کانٹوں میں نہ گھسیٹیں تو بہتر ہے۔''[۲]

اس بار بھی سکائی لارک اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیتے ہیں پہلی دفعہ کے تجربے کی روشنی میں دیکھا جائے تو خان بہادر کو سکائی لارکوں کے پاس تعاون کی امید لے کر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔سکائی لارکوں کے پاس اسکا جانا اسکی نفسیات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔اس کی ذہنیت یہ ہے کہ اس کے نزدیک پیسے سے ہر شخص کو خریدا جا سکتا ہے۔وہ دولت کو سب سے بڑی قدر سمجھتا ہے۔وہ مردم شناس نہیں ہے۔اس کے برعکس سکائی لارک معاشرے اور سیاسی نظام کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔اس حوالے سے علی احمد کے خیالات پاکستان کے سیاسی نظام کو سمجھنے کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں:

> ''میرا خیال ہے کہ آپ بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ورنہ یہ تو بہت صاف سی بات ہے۔دیکھئے نا جب آپ میونسپل بورڈ کے ممبر بن جائیں گے تو آپ آسانی سے اپنے بھتیجے اور بھانجوں کے نام سے ٹھیکے لے سکتے ہیں۔اگر ہر سال دو تین ٹھیکے بھی مل گئے تو دس لاکھ کما لینا کوئی

مشکل نہیں.....علی احمد نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔''کسی فیکٹری یا کارخانے پر دس بارہ لاکھ روپے لگانے سے تو یہ کہیں اچھا پروجیکٹ ہے کہ میونسپلٹی کی ممبری حاصل کی جائے بلکہ خدا توفیق دے تو چیئرمین بننے کی بھی جوڑ توڑ کرنی چاہیے۔پھر تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟'' ۷

میونسپل کمیٹی کے الیکشن کے بیان میں شوکت صدیقی نے پاکستان کے انتخابی نظام کی کمزوریاں بیان کی ہیں کہ کس طرح سرکاری مشینری من پسند امیدوار کی حمایت کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے ناول میں عبدالحمید سرکاری حمایت یافتہ امیدوار ہے۔عبدالحمید کے بارے میں اقتباس ملاحظہ ہو:

''کاغذات نامزدگی منظور ہو چکے تھے اور ہر امیدوار نے انتخابی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں عبدالحمید کی حمایت میں ووٹروں پر سرکاری حکام دباؤ ڈال رہے تھے۔اس حلقے کے جو بااثر لوگ تھے ان کو آئے دن تھانوں میں بلایا جاتا۔اگر وہ عبدالحمید کی مخالفت کرتے تو پولیس کے افسران ان کے خلاف مقدمے قائم کرنے کی دھمکی دیتے غنڈوں کے ذریعے ان کو پریشان کرتے۔جو لوگ سرکاری ملازم تھے ان کو اپنے محکمے کے افسروں کی جانب سے ہدایتیں دی گئی تھیں کہ عبدالحمید کی ہر طرح سے مدد کریں۔'' ۸

عبدالحمید کو سرکاری حکام کی پشت پناہی حاصل تھی تو خان بہادر کو اپنی دولت پر گھمنڈ تھا۔اس نے فی ووٹ دس روپے تک کا ریٹ مقرر کر دیا۔اس کے انتخابی دفاتر میں آئے دن ضیافتیں ہوتیں۔دیگیں چڑھائی جاتیں اور ایسے لوگوں کو خرید کر ساتھ ملا لیا جو سیدھے سادھے لوگوں کو شیشہ میں اتارنے کا گر جانتے تھے۔وہ ان کو یومیہ اجرت دیتا۔یہی نہیں بلکہ خان بہادر ووٹروں کو دکانوں کی الاٹمنٹ اور ملازمتیں دلوانے کا کھلے عام جھانسہ دیتا۔ایسے میں سکائی لارک ڈاکٹر زیدی کو اپنا انتخابی امیدوار نامزد کرتے ہیں تو خان بہادر ریاستی طاقت کو استعمال کر کے سکائی لارکوں پر ملک دشمنی کا الزام لگا کر گرفتار کروا دیتا ہے۔

''رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔فلک پیا کے ہیڈ کوارٹر میں سب گہری نیند سو چکے تھے اچانک ہیڈ کوارٹر کے صدر دروازے پر زور زور سے دستک دینے کی آوازیں ابھریں۔فہیم اللہ نے نیند سے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا تو بھونچکا رہ گیا۔سامنے پولیس کا مسلح دستہ موجود تھا۔انسپکٹر نے فہیم اللہ کو بتایا کہ پولیس ہیڈ کوارٹر کی تلاشی لینے آئی ہے.....مگر انسپکٹر نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے اور ریاض کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔صفدر بشیر اور ڈاکٹر زیدی نے ان کے ہمراہ چلنے کی بہت کوشش کی لیکن انسپکٹر کسی طرح رضامند نہ ہوا۔'' ۹

سکائی لارکوں کی گرفتاری میں خان بہادر کا ہاتھ تھا کیوں کہ سرکاری حمایت یافتہ امیدوار عبدالحمید کے خان بہادر کے حق میں دستبردار ہو جانے کے بعد حکومتی مشینری کی حمایت بھی اسے حاصل ہو چکی تھی ۔مگر اس سب کے باوجود خان بہادر سکائی لارکوں کی عوامی حمایت سے خوفزدہ تھا۔سکائی لارکوں کے کامیاب انتخابی جلسوں نے اس کی راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ایسے میں وہ سرکاری حمایت سے سکائی لارکوں کے خلاف انتہائی اقدام اٹھانے کا فیصلہ کرتا ہے ۔ وہ رات کے اندھیرے میں سکائی لارکوں کے ہیڈ کوارٹر پر بلوے کا منصوبہ بناتا ہے اور درجنوں غنڈوں کو اس مقصد کے لیے بھیجتا ہے۔ یہ غنڈہ گرد عناصر نہ صرف سکائی لارکوں کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ ڈسپنسری اور ہیڈ کوارٹر کو بھی نذرِ آتش کر دیتے ہیں۔ بلوائی کچھ ایسی سفاکیت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ انسانوں سمیت ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔

> ''بھائیو! پاگل مت بنو! سکائی لارک تمہارے دشمن نہیں ہیں۔وہ تمہارے خادم ہیں۔وہ تمہارے ہی لیے۔''
>
> عین اس وقت اس کی کنپٹی پر ایک بڑا سا پتھر آ کر لگا۔صفدر بشیر جملہ پورا نہ کر سکا اس کا سر چکرا گیا ۔وہ گرتے گرتے بچا۔خون کی ایک دھار کنپٹی سے نکل کر اس کے رخسار پر پھیل گئی ۔اس نے چوٹ پر توجہ دیئے بغیر اپنا ہاتھ بلند کیا......حملہ آور وحشیوں کی طرح حملے کر رہے تھے۔ وہ بلموں، میزوں اور لاٹھیوں سے اسکائی لارکوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی آنکھیں شکاری چیتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔اور چہرے بھوتوں کی طرح خوفناک نظر آ رہے تھے۔''[۱۰]

سکائی لارک ہیڈ کوارٹر پر حملے میں سلمان اور ڈاکٹر زیدی سمیت بہت سے سکائی لارک شدید زخمی جبکہ صفدر بشیر ہلاک ہو جاتا ہے۔ سکائی لارک ہیڈ کوارٹر پر بلوہ ہمارے سیاسی نظام کی کمزوریوں کا ایسا حوالہ ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ پاکستان کے انتخابی نظام میں موجود خامیوں نے انتخاب کو دولت مندوں اور طاقتوروں کا پاور شو بنا دیا ہے۔انتخابات پر خرچ ہونے والی کثیر رقم کسی ناجائز ذریعے سے ہی کمائی گئی ہوتی ہے۔غنڈوں اور پیشہ ور عناصر کی حمایت بھی ایک جرائم پیشہ شخص ہی حاصل کر سکتا ہے۔مخالف امیدوار کو طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے زچ کرنا بھی انتخابی نظام میں ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ خان بہادر صفدر بشیر کے قتل کا الزام خود سکائی لارکوں پر عائد کر کے انہیں گرفتار کروا دیتا ہے۔اس مقصد کے لیے وہ سکائی لارکوں کے ساتھیوں فہیم اللہ اور عبدالعلیم کو وعدہ معاف گواہ بنا کر سکائی لارکوں کو قانونی محاذ پر شکست دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سب کچھ الیکشن جیتنے کے لیے کرتا ہے۔

''اسکائی لارکوں پر صفدر بشیر کے قتل کے الزام میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ پولیس کی رپورٹ کے مطابق الزام

کی نوعیت یہ تھی کہ صفدر بشیر فلک پیا سے مستعفی ہو چکا تھا...... پولیس کے موقف کی تائید علیم احمد نے کی بعد میں فہیم اللہ بھی سرکاری گواہ بن گیا۔ ان دونوں کے علاوہ پولیس بستی سے بھی چند گواہ مہیا کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

> مقدمے کا سب سے دلچسپ پہلو یہ تھا کہ پولنگ سے قبل کسی اسکائی لارک کی ضمانت نہ ہو سکی۔ ووٹنگ کے وقت پولنگ اسٹیشن پر سکائی لارکوں کا نہ کوئی ایجنٹ موجود تھا اور نہ ہی ووٹوں کی گنتی کے وقت کوئی نمائندہ تھا۔''[۱۱]

شوکت صدیقی نے سماجی حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے حق اور باطل کی جنگ میں باطل کو کامیاب دکھایا ہے۔ خان بہادر بے پناہ دولت خرچ کرنے کے بعد نا صرف الیکشن میں کامیاب ہو جاتا ہے بلکہ بعدازاں میونسپل کمیٹی کا چیئر مین بھی بن جاتا ہے۔ چیئر مین بننے کے بعد وہ وہی کچھ کرتا ہے جو الیکشن مہم پر بے پناہ اخراجات کرنے والے سیاستدان کرتے ہیں۔ وہ نیاز کے ساتھ ملکر سرکاری سپلائیوں اور ٹھیکوں میں دولت کماتا ہے۔ خان بہادر اور نیاز کے بڑھتے ہوئے تعلقات سے یہ شائبہ ہونے لگتا ہے کہ خان بہادر نیاز کے ساتھ پرخلوص دوستانے میں دلچسپی رکھتا ہے مگر نیاز کے قتل کے بعد وہ جس طرح اسکی دولت ہتھیانے کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے وہ سب اس کے کردار کی رہی سہی انسانیت کو بھی داغدار کر دیتا ہے وہ فیاض نامی شخص کو نیاز کا بھائی بنا کر اسکے گھر بھیجتا ہے اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اسکی بیوہ کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے:

> ''اول شب کو بوڑھا خانساماں گھبرایا ہوا سلطانہ کے پاس آیا۔ وہ بڑا خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے چوکنا نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر رازدارانہ لہجے میں کہا...........آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ کسی اور نے نہیں خود کرم الٰہی نے مجھے بتایا ہے۔ یہ فیاض، نیاز میاں کا بھائی کہاں ہے۔ خان بہادر صاحب نے خوامخواہ کا ڈھونگ رچایا ہے۔ یہ تو جائیداد پر قبضہ کرنے کا چکر ہے۔''[۱۲]

خان بہادر فرزند علی کا کردار اردو ناول کی روایت کے منفی کرداروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ کردار خود کو دیندار اور عوامی رہنما سمجھتا ہے۔ مگر اصل میں یہ کردار بنیادی انسانی اوصاف سے بھی عاری ہے۔ یہ شخص ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرتا ہے۔ یہ کردار جن عوام کی نمائندگی کا دعویدار ہے وہ عوام تعلیم اور صحت جیسی سہولیات سے محروم ہے۔ ان کے بچے بھوک اور غربت سے عاجز آ کر جرائم کی دلدل میں اتر جاتے ہیں یا وہ راجہ کی طرح کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو کر جیتے جی مر جاتے ہیں۔ یہ نام نہاد عوامی رہنما تعمیرات کے ٹھیکوں میں سے بھاری کمیشن کھا کر درجنوں مکینوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے کا باعث بنتا ہے اور مذہب کے نام پر سیاست کرنے والا مظلوم بیوہ کو گھر سے بے دخل کرنے کے لیے ہر طرح کے غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ اس سب کے باوجود شوکت صدیقی نے اس کردار کو نیاز کی طرح انجام کو نہیں پہنچایا۔ بلکہ ناول کے اختتام تک خان بہادر کی نہ ختم ہونے والی فتوحات کا بیان ملتا ہے۔ اس بات کا جواز ڈاکٹر اے بی اشرف نے نہایت خوبصورتی سے کچھ یوں پیش کیا ہے:

''نواب فرزند علی زندگی کو سودا سمجھتے ہیں اور اس سودے کے لیے روپیہ، پیسہ، طاقت، ضمیر اور ایمان ہر چیز داؤ پر لگا دینے کو تیار ہیں۔ ناول نگار نے اس کردار کو جس خاص مقصد کے لیے منتخب کیا ہے وہ اس میں کامیاب ہیں۔ وہ نواب فرزند علی خاں کے لیے خدا کی بستی کا مطالعہ کرنے والوں کے دلوں میں نفرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے اور یہ مقصد انہوں نے پالیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نواب صاحب کے کردار کا محاسبہ نہیں کرتے۔ انہیں کیفر کردار تک نہیں پہنچاتے۔''[۱۳]

خان بہادر بظاہر خود کو دیندار اور مذہب کا نمائندہ بنا کر پیش کرتا ہے مگر حقیقت میں وہ محض اپنے مفاد کا بندہ ہے۔ اس کے برعکس سکائی لارک انسانیت کے نمائندہ ہیں۔ وہ ہر قسم کے لالچ سے ماورا ہو کر خالصتاً انسانی بنیادوں پر مظلوموں کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ کسی بھی مرحلے پر ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں بعض ناقدین نے سکائی لارکوں کے عمل میں اشتراکی نظریات کی جھلک کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد افضال بٹ لکھتے ہیں:

''خدا کی بستی میں اسکائی لارک جو پروگرام مرتب کرتے ہیں جس ایثار و عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس میں اشتراکی نظریات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس تنظیم کے پس منظر میں شوکت صدیقی کی ترقی پسندیت کا تصور ہے۔''[۱۴]

''خدا کی بستی'' میں فلک پیما تنظیم اور اسکائی لارکوں کے بیان کو بعض ناقدین نے مثالیت پسندی کا بیان قرار دیا ہے۔ اس طرح بعض ناقدین نے اس حصے کو ناول کے ڈھانچے میں غیر متعلق قرار دیا ہے۔

ناقدین کی طرف سے اٹھائے گئے ان اعتراضات کے جواب میں شوکت صدیقی نے اپنے ایک انٹرویو میں اس حوالے سے وضاحت کی ہے۔ شوکت صدیقی اردو زبان کے ان معدودے چند لکھنے والوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی تحریروں کے لیے خام مواد اپنے مشاہدے اور تجربے سے حاصل کیا ہے۔ ان کا ادبی سرمایہ محض تخیل کا پیدا کردہ نہیں بلکہ تجربے کی بھٹی سے تپ کر کندن بن کر نکلا ہے۔ سکائی لارکوں کی تنظیم سے ملتے جلتے اپنے ایک تجربے کے بارے میں وہ کچھ یوں بتاتے ہیں:

''ایک زمانے میں اردو کے مشہور افسانہ نگار حیات اللہ انصاری نے تحریک تعلیم بالغاں شروع کی تھی۔ ان کی تحریک میں شامل افراد خیالات کے اعتبار سے قوم پرست تھے۔ میں ان نوجوانوں میں شامل تھا۔ انصاری صاحب نے پسماندہ علاقوں میں تعلیم کے فروغ کے لیے مختلف مراکز قائم کئے تھے............اس لیے کہ کمیونسٹ تحریک انقلابی تحریک پر یقین رکھتی ہے۔ ہماری تحریک تو نچلے متوسط طبقے کی اصلاحی تحریک تھی جسے میں نے اپنے ناول کا موضوع بنایا۔''[۱۵]

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلک پیما یا سکائی لارک تنظیم کے اثرات سے ملتے جلتے نظریات اور خیالات رکھنے والے کردار اگرچہ ہمارے سماج میں بھی پائے جاتے ہیں مگر موجودہ نفسانفسی کے عہد میں ایسے کرداروں کو مثالیت پسند ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

## حواشی:

۱۔ طاہر مسعود، ڈاکٹر، یہ صورت گر کچھ خوابوں کے، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۷ء)، ص: ۱۷۱
۲۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، (کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص: ۱۸۵
۳۔ ایضاً، ص: ۱۸۷
۴۔ ایضاً، ص: ۲۰۴
۵۔ ایضاً، ص: ۲۱۵، ۲۱۶
۶۔ ایضاً، ص: ۲۵۸
۷۔ ایضاً، ص: ۲۶۲
۸۔ ایضاً، ص: ۲۶۶
۹۔ ایضاً، ص: ۲۸۹، ۲۸۸
۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۹۲، ۲۹۱
۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۴۳
۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۲۸
۱۳۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص: ۳۶۵
۱۴۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ص: ۲۱۲
۱۵۔ نثار حسین، مرتبہ، شوکت صدیقی: افکار و شخصیت، (کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص: ۱۵۱۱۔۱۵۰

## مآخذ:


۱۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء

۲۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء

۳۔ طاہر مسعود، ڈاکٹر، یہ صورت گر کچھ خوابوں کے، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۷ء

۴۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء

۵۔ نثار حسین، مرتبہ، شوکت صدیقی :افکار و شخصیت ، کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء


☆☆☆